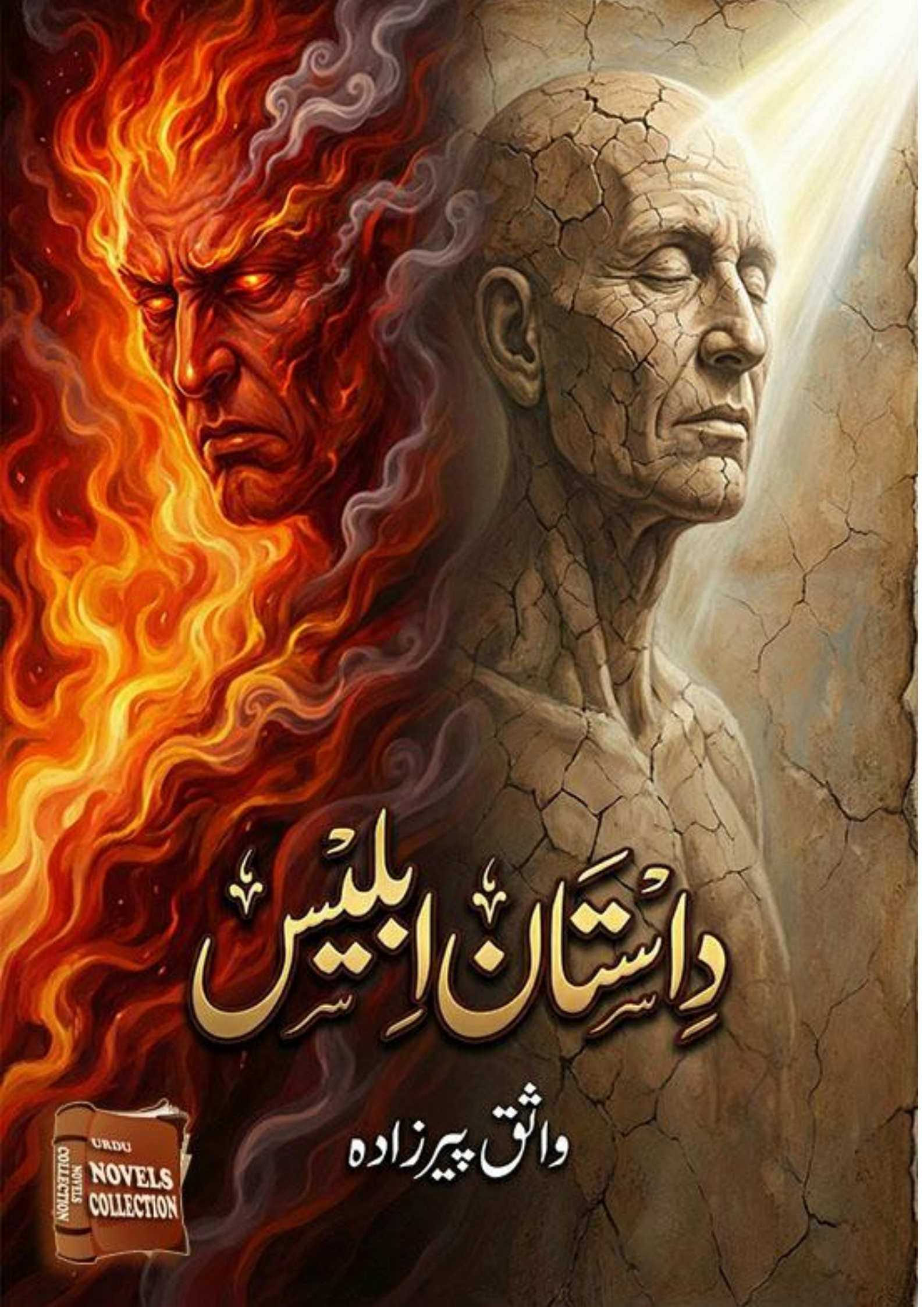
دِاسِتَانِ اِبلِیس
واثق پیرزادہ
URDU
NOVELS
COLLECTION

داستانِ ابلیس

واثق پیرزادہ

کراچی کی حبس زدہ گرمی میں رات کا پچھلا پہر بھی کوئی راحت نہیں لا رہا تھا۔ چھت پر لگے پنکھے کی اکتادینے والی چوں چوں میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی ہوئی مخصوص بو—— سیلن، ادویات اور غربت کی ملی جلی بو—— میرے نتھنوں میں بس چکی تھی۔

میں، محمد، اپنی چارپائی پر لیٹا چھت کی کڑیاں گن رہا تھا، لیکن میرے کان برابر والے کمرے میں کھانستے ہوئے باپ کی آواز پر لگے تھے۔ ہر کھانسی کے ساتھ میرا دل دہل جاتا۔ وہ کھانسی نہیں تھی، وہ ہماری بے بسی کا نوحہ تھا جو ہر رات بلند ہوتا تھا۔

پانی۔۔۔ "ابا کی کمزور آواز آئی۔"

میں جھٹکے سے اٹھا۔ سٹیل کا گلاس بھرا اور ان کے لبوں سے لگایا۔ ان کی آنکھوں میں ویرانی تھی، وہ ویرانی جو صرف ان بوڑھے لوگوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے جو جانتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد پر بوجھ بن چکے ہیں۔ ماں ایک کونے میں جائے نماز پر بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے لیکن

ہونٹ ساکت تھے۔ شاید اب اس کے پاس مانگنے کے لیے الفاظ بھی ختم ہو چکے تھے۔

میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ گلی میں گھپ اندھیرا تھا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف چند سکے انگلیوں سے ٹکرائے۔ یہ سکے میری محنت کی کمائی نہیں، میری ذلت کا ثبوت تھے۔ دن بھر کی دھکم پیل، لوگوں کی جھڑکیاں، اور شام کو خالی ہاتھ واپسی۔ میرے اندر ایک آتش فشاں پک رہا تھا۔

آخر میں ہی کیوں؟" میں نے تاریک آسمان کی طرف دیکھ کر دل ہی دل" "میں سوال کیا۔ "کیا میری قسمت میں صرف یہ گھٹن لکھی ہے؟

اس لمحے، میرے ذہن میں دوستوں کی وہ سرگوشیاں گونجنے لگیں جو وہ چائے کے ڈھابے پر کیا کرتے تھے۔ "طاقت۔۔۔ جنات۔۔۔ شارٹ کٹ!"

پہلے میں ان باتوں پر ہنستا تھا، لیکن آج بھوک اور بے بسی نے میرے ایمان کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔ مایوسی جب حد سے بڑھ جائے تو کفر کی دہلیز تک لے جاتی ہے۔ اور میں اس دہلیز پر کھڑا تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا۔

اگلی شام، میں شہر کے قدیم علاقے کی اس ویران مسجد کے پیچھے کھڑا تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں جنات کا سایہ ہے۔ پرانی عمارتوں کے درمیان وہ چھوٹا سا حجرہ کسی خوفناک غار کا دہانہ لگ رہا تھا۔

میں نے لرزتے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آ جاؤ۔۔۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

اندر سے آنے والی آواز بھاری اور سرد تھی، جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔

میں اندر داخل ہوا۔ موم بتی کی لرزتی ہوئی روشنی میں وہ بزرگ بیٹھے تھے۔ ان کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا، لیکن آنکھیں! وہ آنکھیں انسانی نہیں لگ رہی تھیں۔ ان میں ایک ایسی چمک تھی جو دل کا حال جان لیتی ہے۔

میں کچھ بولنا چاہتا تھا، اپنا دکھ بیان کرنا چاہتا تھا، لیکن میرے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ میں نے اپنے آنسوؤں میں

اپنی بھوک، اپنے باپ کی بیماری اور اپنی ٹوٹی ہوئی امیدیں سب ان کے قدموں میں رکھ دیں۔

"بابا! خدا کے لیے کچھ کریں! یہ زندگی مجھے مار رہی ہے۔" میں چیخ اٹھا۔

عامل بابا خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

"بیٹا! تم جس راستے کی تلاش میں ہو، وہ کانٹوں نہیں، انگاروں کا بستر ہے۔" ان کی آواز میں تنبیہ تھی۔ "غربت امتحان ہے، لیکن تم جس بے صبری کا مظاہرہ کر رہے ہو، یہ تمہیں 'ابلیس' کے راستے پر لے جائے گی۔"

"میں تیار ہوں!" میں نے بنا سوچے سمجھے کہا۔ "مجھے بس اس جہنم سے نکلنا ہے، چاہے اس کے لیے مجھے دوسری جہنم میں ہی کیوں نہ جانا پڑے۔"

بابا کی آنکھوں میں ایک عجیب سا دکھ ابھرا۔

ٹھیک ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔" اگر تم اپنی روح کا سودا کرنے پر بضد
"ہو، تو سنو۔

انہوں نے مجھے ایک نام بتایا—"ہامان"۔
وہ ایک عظیم اور سرکش جن 'ہامہ' کا پڑپوتا ہے۔ایک طاقتور عفریت۔"
اگر تم نے اسے قابو کر لیا، تو دنیا تمہارے قدموں میں ہو گی۔ لیکن یاد
"رکھنا۔۔۔ یہ راستہ واپسی کا نہیں ہے۔
انہوں نے مجھے ایک "عمل" سکھایا۔چالیس دن کا چلہ۔ ویرانے میں۔
تنہا۔

شہر سے میلوں دور، وہ ویرانہ موت کی طرح خاموش تھا۔ وہاں دن میں
بھی پرندے پر نہیں مارتے تھے۔ جھاڑیاں سوکھی ہوئی ہڈیوں کی طرح
بکھری پڑی تھیں۔ میں نے زمین پر وہ حصار کھینچا جو بابا نے بتایا تھا۔
پہلی رات تو صرف خوف سے لڑنے میں گزر گئی۔ ہر آہٹ پر لگتا کہ کوئی
میرے پیچھے کھڑا ہے۔ ہوا جب سوکھے پتوں سے ٹکراتی تو ایسا لگتا جیسے
ہزاروں سانپ رینگ رہے ہوں۔

"واپس چلے جاؤ محمد۔۔۔ابھی بھی وقت ہے۔"

میرے ضمیر کی آواز مدہم پڑتی جارہی تھی۔میرے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا: طاقت اور دولت۔

دسویں رات تک، مجھے چیزیں دکھائی دینے لگیں۔ کبھی حصار کے باہر سیاہ بلیاں گھومتی نظر آتیں جن کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہوتیں، تو کبھی دور سے کسی کے رونے کی آواز آتی۔یہ آوازیں اتنی دردناک تھیں کہ میرا دل چاہتا کہ کان بند کرلوں۔

بیسویں رات، آزمائش سخت ہوگئی۔

میں وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے کندھے پر ایک ہاتھ محسوس ہوا۔ برف جیسا ٹھنڈا ہاتھ! میرا پورا جسم سن ہوگیا۔میں نے آنکھیں نہیں "کھولیں۔بابا نے کہا تھا، "کچھ بھی ہو جائے، آنکھ مت کھولنا۔

وہ ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھا۔میں کانپ رہا تھا، لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔پھر وہ ہاتھ غائب ہوگیا۔

اور پھر وہ رات آئی۔چالیسویں رات۔

یہ رات باقی راتوں جیسی نہیں تھی۔آج ہوا بھی تھم چکی تھی۔فضا میں ایک عجیب سا دباؤ تھا، جیسے آسمان زمین پر گرنے والا ہو۔

میں نے آخری بار پڑھائی شروع کی۔میرے الفاظ کے ساتھ ساتھ زمین میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔پہلے ہلکا سا، پھر شدید زلزلہ۔

میرے سامنے کی زمین پھٹ گئی۔

اندر سے دھواں نہیں، بلکہ تپش نکلی۔ایک سرخ آندھی کا بگولہ اٹھا اور میرے حصار کے باہر چکر کاٹنے لگا۔

"تم نے مجھے کیوں بلایا، اے مٹی کے پتلے؟"

ایک ایسی آواز گونجی جس سے میرے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔یہ آواز انسانی نہیں تھی۔اس میں صدیوں کا غصہ اور غرور شامل تھا۔

بگولہ تھما، اور دھیرے دھیرے ایک شکل واضح ہونے لگی۔

وہ ہامان تھا۔

اس کا قد اتنا طویل تھا کہ سر آسمان کو چھو رہا تھا۔اس کا جسم جیسے پگھلے ہوئے تانبے کا بنا ہو۔اس کی آنکھیں دو دہکتے ہوئے الاؤ تھیں جو میری روح کو جلا رہی تھیں۔

میں خوف سے چیخنا چاہتا تھا، لیکن میری آواز میرا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

موت میرے سامنے کھڑی تھی۔

لیکن۔۔۔جیسے ہی میری نظر اس کے چہرے پر جمی، میں حیران رہ گیا۔

اس ہیبت ناک وجود کے چہرے پر درندگی نہیں تھی۔۔۔وہاں ایک عجیب سا "ٹھہراؤ" تھا۔اس کی آنکھوں کی آگ کے پیچھے ایک گہرا سمندر تھا—— غم اور حسرت کا سمندر۔

وہ مجھے مارنے کے لیے آگے نہیں بڑھا۔وہ وہیں کھڑا رہا،اور اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ایک دکھی مسکراہٹ۔

"رک جاؤ انسان!" اس نے کہا۔"تم مجھے غلام بنانے آئے ہو؟ تم اس طاقت کے پیچھے بھاگ رہے ہو جس نے ہمیں برباد کر دیا؟"

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔زمین لرز گئی۔

میں ہامان ہوں۔ ہامہ بن ہیم بن لاقیس بن عزازیل کا خون! اور میں" تمہیں ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ وہ کہانی جو تمہاری زندگی بدل دے گی۔"

ہامان کی آواز ویرانے میں گونجی تو وقت جیسے تھم گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ، جو کسی قدیم درخت کی ٹہنی جیسا سخت اور کھردرہ تھا، میری طرف بڑھایا۔

"دیکھو! وہ دیکھو جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔"

اس کے ہاتھ سے ایک لہر نکلی، اور میرے گرد کھینچا ہوا حصار غائب ہو گیا۔ میرے ارد گرد کا منظر دھندلا گیا—— کراچی کا ویرانہ، رات کی سیاہی، سب کچھ تحلیل ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے مجھے کسی نے کھینچ کر ہزاروں سال پیچھے پھینک دیا ہو۔

جب میری آنکھیں دوبارہ کھلیں، تو میں زمین پر نہیں تھا، یا شاید یہ وہ زمین نہیں تھی جسے میں جانتا تھا۔

میرے سامنے ایک عظیم الشان سلطنت تھی۔ عمارتیں پتھروں کی نہیں، بلکہ شفاف کرسٹل اور دہکتی ہوئی دھاتوں کی بنی ہوئی تھیں۔ فضا میں دھوئیں کے بغیر رنگ برنگی آگ کے بگولے تیر رہے تھے، جو دراصل جنات تھے۔

یہ ہمارا دور تھا۔" ہامان کی آواز اب میرے کانوں میں نہیں، میرے" دماغ میں گونج رہی تھی۔ "جب انسان کا خمیر ابھی گوندھا نہیں گیا تھا، ہم "زمین کے وارث تھے۔

میں نے دیکھا کہ وہ جنات ہواؤں میں ایسے تیر رہے تھے جیسے پانی میں مچھلیاں۔ وہ اپنی شکلیں بدلنے پر قادر تھے۔ کوئی شیر کی سی ہیبت رکھتا تھا تو کوئی سانپ کی سی لچک۔ ان کے محلات پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھو رہے تھے اور سمندروں کی گہرائیاں ان کے شہروں سے روشن تھیں۔

وہ نور اور نار (آگ) کا دور تھا۔ جنات، اپنے لطیف اجسام کے ساتھ، پلک جھپکتے میں زمین سے آسمانِ دنیا تک پرواز کر جاتے تھے۔

ہامان کی آواز پس منظر میں گونجی:

ہم جنات اس وقت 'ملأ اعلیٰ' (فرشتوں کی جماعت) کے رازدار تھے۔ ہم "آسمانی دروازوں پر بیٹھتے، لوحِ محفوظ سے اترنے والے احکامات سنتے۔ ہم جنت کی ہواؤں کو محسوس کرتے اور دوزخ کی تپش کو دور سے دیکھ کر "لرزتے۔

میں نے دیکھا کہ جنات اور فرشتے ایک دوسرے سے اجنبی نہیں تھے۔

فرشتے نور کے ہالے میں زمین پر اترتے، اللہ کا پیغام اور ہدایت لاتے، اور جنات ادب سے انہیں سنتے۔ یہ امن اور اطاعت کا دور تھا۔

پھر منظر میں تبدیلی آئی۔ زمین پر آباد جنات کی بستیوں میں "اختیار" کا نشہ سر چڑھنے لگا۔

جنات نے سمجھ لیا کہ یہ کائنات ان کے لیے بنی ہے اور وہ کسی کو جوابدہ نہیں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح چھوٹی چھوٹی رنجشیں بڑی جنگوں میں بدل گئیں۔ زمین پر خون بہنے لگا۔

آسمان سے فرشتے اترے۔ اس بار ان کے چہروں پر مسکراہٹ نہیں، بلکہ سختی تھی۔

رک جاؤ!" فرشتوں نے تنبیہ کی۔ "تم زمین پر فساد پھیلا رہے ہو۔ اللہ "
"کی زمین کو انصاف سے بھر دو ورنہ تمہارا اختیار چھین لیا جائے گا۔

!اس بھیڑ میں، میں نے ایک شخصیت کو دیکھا۔ عزازیل

وہ اس وقت بھی سب سے الگ تھا۔ اس کے چہرے پر عبادت کا نور تھا، مگر پیشانی پر فکر کی لکیریں تھیں۔ وہ اپنی قوم کو سمجھاتا، انہیں روکتا۔

"میری قوم! اللہ کے غضب کو دعوت مت دو۔"

لیکن طاقت کے نشے میں دھت جنات نے اپنے ہی سردار کی بات ان سنی کر دی۔ سرکشی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ انہوں نے آسمانی احکامات کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

پھر وہ لمحہ آیا جب آسمانوں پر ایک "فیصلہ" ہوا۔

:فرشتوں نے آ کر آخری اعلان کر دیا

"اللہ کا حکم آ چکا ہے! تم نے اپنی مہلت گنوا دی ہے۔ اب زمین کا اختیار تم "
"!سے واپس لیا جاتا ہے۔ تم معزول کیے جاتے ہو

یہ اعلان جنات کے لیے موت کا پروانہ تھا۔ لیکن توبہ کرنے کے بجائے، ان کے اندر کی آگ بھڑک اٹھی۔

عزازیل، جو اب تک صلح جو تھا، اپنی قوم کی محبت اور اپنی "انا" کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔ اسے لگا کہ اگر زمین چھن گئی تو ہماری حیثیت کیا رہ جائے گی؟ اس نے سوچا کہ اپنی طاقت سے وہ یہ فیصلہ بدل دے گا۔

جنگ شروع ہوئی۔

یہ کوئی عام جنگ نہیں تھی۔ آسمانوں سے فرشتوں کا لشکر اترا۔ ان کے ہاتھوں میں ایسے کوڑے اور ہتھیار تھے جو روشنی سے بنے تھے۔ دوسری طرف عزازیل کی قیادت میں جنات کا لشکر تھا، جو آگ اور جادو کے ہتھیار لیے ہوئے تھا۔

زمین لرز اٹھی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگے۔ لیکن "نور" کے سامنے "نار" کب ٹھہر سکتی تھی؟

عزازیل نے بہادری سے مقابلہ کیا، مگر اسے شکست ہوئی۔ اس کی فوج تتر بتر ہو گئی، جنات کو جزیروں اور غاروں میں چھپنا پڑا۔

میدانِ جنگ میں سناٹا چھا گیا۔ عزازیل، تنہا اور شکستہ، زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں طرف اس کی قوم کی لاشیں اور بربادی پھیلی ہوئی تھی۔

اس لمحے، اس کا غرور ٹوٹا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور رو پڑا۔

"اے میرے رب! ہم نے غلطی کی۔ ہم نادان تھے۔"

عزازیل نے اپنی پوری قوم کی طرف سے معافی مانگی۔ اس نے صدیوں طویل سجدے کیے۔ اس کی آہ وزاری نے آسمانوں کو ہلا دیا۔

اللہ، جو بے حد رحم کرنے والا ہے، اس نے عزازیل کی توبہ قبول کر لی۔

لیکن!

ہامان نے یہاں رک کر میری آنکھوں میں دیکھا۔

"توبہ قبول ہوئی، محمد! لیکن 'فیصلہ' واپس نہیں ہوا۔"

اللہ نے عزازیل کو بخش دیا، اسے چن لیا، لیکن اس کی قوم کی معزولی برقرار رہی۔ اور سب سے بڑی خبر جواب سنائی گئی وہ یہ تھی:

"!زمین خالی نہیں رہے گی۔ وہاں ایک نیا خلیفہ آئے گا۔ آدم"

یہ خبر عزازیل کے دل پر بجلی بن کر گری۔ اس نے سوچا تھا کہ توبہ کے بعد اسے دوبارہ زمین کی بادشاہت ملے گی، لیکن اسے کیا ملا؟

اسے زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر بلا لیا گیا۔

منظر آسمانوں کا تھا۔ عزازیل اب فرشتوں کے درمیان تھا۔

اپنی معزولی کے غم کو بھلانے اور اپنا کھویا ہوا مقام پانے کے لیے اس نے عبادت کی انتہا کر دی۔

اس نے اتنا سجدہ کیا کہ زمین و آسمان کا کوئی گوشہ ایسا نہ بچا جہاں اس کی پیشانی نہ لگی ہو۔ اس کے علم اور زہد کا یہ عالم ہوا کہ اسے "معلم الملکوت" (فرشتوں کا استاد) کہا جانے لگا۔

وہ اب فرشتوں کا سردار بن چکا تھا۔ بظاہر یہ بہت بڑا اعزاز تھا، لیکن ہامان نے مجھے اس کے دل کا حال دکھایا۔

اس کے دل میں ایک "کانٹا" چبھ رہا تھا۔

میں یہاں آسمانوں پر ہوں، لیکن میری قوم نیچے ذلیل ہو رہی ہے۔اور "
وہ۔۔۔وہ نیا خلیفہ، وہ مٹی کا پتلا جس کا ابھی وجود بھی نہیں، وہ میری جگہ
"لے گا؟

عزازیل کی عبادت اللہ کی محبت میں کم اور اپنی "انا" کی تسکین اور اپنا مقام بچانے کے لیے زیادہ ہو گئی تھی۔وہ ہر وقت خوفزدہ رہتا کہ کب "آدم" کی تخلیق کا وقت آئے گا۔

اور پھر وہ دن آ گیا۔

فرشتوں کو حکم ملا کہ مٹی جمع کرو۔آدم کا پتلا بنایا گیا۔

عزازیل اس پتلے کے پاس جاتا، اسے ٹھوکر مار کر دیکھتا۔وہ کھنکتی ہوئی مٹی تھی۔

یہ؟"اس نے تحقیر سے سوچا۔"یہ کمزور اور بدبودار مٹی کا پتلا مجھ آگ"
"کے بنے ہوئے طاقتور جن سے بہتر کیسے ہو سکتا ہے؟

جب اللہ نے اس پتلے میں اپنی روح پھونکی اور آدم علیہ السلام زندہ ہو گئے، تو کائنات میں ایک نیا دور شروع ہوا۔علم الاسماء (چیزوں کے نام) سکھائے

گئے اور عزازیل نے دیکھا کہ یہ مخلوق "علم" میں اس سے آگے نکل گئی ہے۔

: پھر اللہ کا جلال بھرا حکم گونجا

"! جھک جاؤ آدم کے سامنے"

فرشتے، جو صرف اطاعت جانتے تھے، فوراً سجدے میں گر گئے۔

لیکن ایک شخص کھڑا رہا۔

! عزازیل

اس کے اندر کا چھپا ہوا صدیوں کا غبار، اس کی قوم کی معزولی کا غصہ، اپنی عبادت کا زعم، اور آدم سے حسد۔۔۔ سب ایک لمحے میں باہر آ گیا۔

"اللہ نے پوچھا: "تجھے کس چیز نے روکا؟

: عزازیل نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج تک تکبر کی بنیاد ہے

میں اس سے بہتر ہوں! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔"

"آگ مٹی کے سامنے کیوں جھکے؟

یہ انکار صرف ایک سجدے کا نہیں تھا، یہ اللہ کی حکمت کو چیلنج کرنے کا نام تھا۔

"اللہ نے اسے دھتکار دیا۔ "نکل جا یہاں سے! تو مردود ہے۔

عزازیل، جو کچھ لمحے پہلے تک فرشتوں کا سردار تھا، اب "ابلیس" بن چکا تھا۔ سب کچھ چھن گیا۔

لیکن جاتے جاتے اس نے ایک آخری چال چلی۔ اس نے مہلت مانگی۔

"مجھے قیامت تک مہلت دے! میں ثابت کروں گا کہ یہ مٹی کا پتلا تیری خلافت کے لائق نہیں۔ میں اسے گمراہ کروں گا، میں اسے تیرے راستے سے ہٹا دوں گا، سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔"

اللہ نے فرمایا: "جا تجھے مہلت ہے۔ لیکن یاد رکھ، جو تیرے ساتھ چلیں گے، میں جہنم کو تم سب سے بھر دوں گا۔"

ہامان کی آواز کانپ رہی تھی جب منظر واپس سمٹا۔

"دیکھو محمد! عزازیل نے اللہ کو چیلنج کیا ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ انسان کو ناکام ثابت کرے گا۔"

ہامان نے میری طرف انگلی اٹھائی۔

"اب یہ جنگ تمہاری ہے۔ تم آدم کی اولاد ہو۔ تمہارے کندھوں پر صرف اپنی عبادت کا بوجھ نہیں، بلکہ اپنے باپ آدم کی عزت کا بوجھ بھی ہے۔ تمہیں اپنی بندگی سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ کا فیصلہ درست تھا اور ابلیس غلط تھا۔ ہر گناہ جو تم کرتے ہو، ابلیس کی جیت ہوتی ہے۔ اور ہر نیکی جو تم کرتے ہو، وہ اس کے منہ پر تمانچہ ہے۔"

ہامان کی داستان ختم ہوئی۔

میرے ارد گرد کا منظر دوبارہ اسی ویرانے میں بدل گیا۔ میں اپنے حصار کے اندر بیٹھا تھا، لیکن میرا وجود کانپ رہا تھا۔ میرا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے کندھوں پر کائنات کا سب سے بھاری بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔

میں نے سوچا کہ میں کس چیز کے لیے رو رہا تھا؟ چند سکوں کے لیے؟ پیٹ کی آگ کے لیے؟

جبکہ میری تخلیق کا مقصد تو اتنا عظیم تھا کہ اس کے لیے فرشتوں کے سردار کو بھی دھتکار دیا گیا۔ میں اشرف المخلوقات تھا، اور میں خود کو گرا کر جنات کا غلام بنانے چلا تھا؟

میں نے سر اٹھا کر ہامان کی طرف دیکھا۔ اب وہ مجھے خوفناک نہیں لگ رہا تھا۔ وہ مجھے ایک عبرت کا نشان لگ رہا تھا۔

میں نے روتے ہوئے کہا:

"ہامان! شکریہ۔۔۔ تم نے مجھے بچا لیا۔ تم نے میرے دل کی تاریکی میں وہ روشنی جلائی ہے جو مجھے کہیں نہیں ملی۔ تم نے مجھے میری پہچان لوٹا دی۔"

ہامان کے لبوں پر ایک ملائم مسکراہٹ ابھری۔ اس کی آنکھوں میں جو ہمدردی تھی، اس نے میرے دل سے خوف کا آخری ذرہ بھی مٹا دیا۔

"جاؤ محمد!" اس نے دھیرے سے کہا۔ "شارٹ کٹ کا راستہ ابلیس کا راستہ ہے۔ صبر اور محنت کا راستہ آدم کا راستہ ہے۔ اپنی جنگ لڑو، ہار مت ماننا۔"

یہ کہہ کر، وہ دھیرے دھیرے دھند میں تحلیل ہونے لگا۔اس کا وجود بکھر گیا،اور وہاں صرف ہوا کا ایک جھونکا رہ گیا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے وہ حصار مٹا دیا جسے میں نے اپنی حفاظت کے لیے بنایا تھا۔اب مجھے کسی حصار کی ضرورت نہیں تھی۔میرا ایمان میرا حصار تھا۔

میں وہاں سے اٹھا۔میرے ہاتھ خالی تھے، جیب میں اب بھی کچھ نہیں تھا، لیکن میرا دل امید اور یقین سے بھرا ہوا تھا۔مجھے خزانہ مل گیا تھا—صبر اور شکر کا خزانہ۔

جب میں واپس شہر کی طرف چل رہا تھا، تو فجر کی اذان گونجنے لگی۔

حی علی الفلاح" (آؤ کامیابی کی طرف)"

آج ان الفاظ کا مطلب مجھے پہلی بار سمجھ میں آیا۔کامیابی جادو میں نہیں، کامیابی محنت اور اللہ کی رضا میں ہے۔

میں گھر پہنچا۔ماں جاگ رہی تھی۔مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سوال ابھرا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

ماں! میں واپس آ گیا ہوں۔۔۔خالی ہاتھ، لیکن بھرے دل کے ساتھ۔"

اب ہم بھیک نہیں مانگیں گے، اب ہم شارٹ کٹ نہیں ڈھونڈیں گے۔

"اب میں محنت کروں گا۔

میں جان گیا تھا کہ اللہ کی رحمت کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔وہ رحمت، جو مجھے اس تباہی کے دہانے سے واپس لائی تھی، اب وہی میری محافظ تھی۔میں نے عہد کیا کہ اب میری ہر سانس اس بات کی گواہی دے گی کہ اللہ کا فیصلہ درست تھا، اور انسان واقعی زمین کا خلیفہ ہے۔

(ختم شد)

واثق پیرزادہ

رحیم یار خان